

باہر نکلنے کے قوانین

لباس اور ستر کے حدود مقرر کرنے کے بعد آخری حکم جو عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے :-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ - (احزاب: ۳۳)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأُمُجُلِهِنَّ لِمَا عَلَّمْنَ مَا خَفِيَ مِنْ فِيْزِ مَنَعَتٍ - (النور: ۳۱)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِيْ فِئْتِهِ مَرْهٌ - (احزاب: ۳۴)

وقرن کی قرات میں اختلاف ہے۔ عام قراء مدینہ اور بعض کو فیوں نے اسکو وقرن بفتح قاف پڑھا ہے جس کا مصدر قرار ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا کہ ”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو یا جی ٹی رہو“۔ عام قراء کو ذہن و بصر نے وقرن بکسر قاف پڑھا ہے جس کا مصدر وقار ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ ”اپنے گھروں میں وقار اور سکینت کے ساتھ رہو“۔

تبرج کے دو معنی ہیں۔ ایک زینت اور عیاس کا اظہار۔ دوسرے چلنے میں ناز و انداز دکھانا۔ بتبرج کرتے ہوئے چلنا، اٹھانا، اچکے کھانا، جسم کو توڑنا، ایسی چال اختیار کرنا جس میں ایک ادا پائی جاتی ہو۔ آیت میں یہ دونوں معنی مراد ہیں۔ جاہلیت اولیٰ میں عورتیں خوب بن سنور کر نکلتی تھیں جس طرح وہ جدیدی جاہلیت میں نکل رہی ہیں۔ پھر چال بھی قصہ ایسی اختیار کی جاتی تھی کہ ہر قدم زمین پر نہیں بلکہ دیکھنے والوں کے دلوں پر پڑے۔ مشہور تابعی و مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ لکھتے ہیں کہ کانت لمعن مشیتہ وتکسر وقعہا عن اللہ عن ذلک۔ اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے کسی تاریخی بیان کی حاجت نہیں کسی ایسی سوسائٹی میں تشریف لے جائیے جہاں مغربی وضع کی خواتین تشریف لاتی ہوں۔

جاہلیت اولیٰ کی تبرج والی چال آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اسلام اسی سے منع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اول تو تمہاری صحیح جائے قیام تمہارا گھر ہے۔ بیرون خانہ کی ذمہ داریوں سے تم کو اسی لیے سبوتا کیا گیا ہے کہ تم سکون و وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں رہو اور خانگی زندگی کے فرائض ادا کرو۔ تاہم اگر ضرورت پیش آئے تو گھر سے باہر نکلنا بھی تمہارے لیے جائز ہے، لیکن نکلنے وقت پوری عصمت مآبی ملحوظ رکھو۔ نہ تمہارے لباس میں کوئی شان اور بھڑک ہوئی چاہیے کہ نظروں کو تمہاری طرف مائل کرے۔ نہ اٹھار حسن کے لیے تم میں کوئی بے تابی ہوئی چاہیے کہ چلتے چلتے کبھی چہرے کی جھلک دکھاؤ اور کبھی ہاتھوں کی نمائش کرو۔ نہ چال میں کوئی خاص ادا پیدا کرنی چاہیے کہ نگاہوں کو خود بخود تمہاری طرف متوجہ کر دے۔ ایسے زیور بھی پہنا نہ نکلو جن کی جھلک یا غیروں کے لیے سامعہ نواز ہو۔ قصداً لوگوں کو سننے کے لیے آواز نہ نکالو۔ ہاں اگر بولنے کی ضرورت پیش آئے تو بولو، مگر رس بھری آواز نہ نکلنے کی کوشش نہ کرو۔ ان قواعد اور حدود کو ملحوظ رکھ کر اپنی حاجات کے لیے تم گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔

یہ ہے قرآن کی تعلیم۔ آئیے اب حدیث پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم کے مطابق سوسائٹی میں عورتوں کے لیے کیا طریقے مقرر فرمائے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انکی خواتین نے اس پر کس طرح عمل کیا۔

حاجات کے لیے گھر سے | حدیث میں ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ کا اتفاقاً مٹھا کر نکلنے کی اجازت | یا رسول اللہ! اپنی خواتین کو پردہ کرائیے۔ ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت سودہ بنت زعدرات کے وقت باہر نکلیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ لیا اور پکار کر کہا کہ سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا۔ اسے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خواتین کا گھروں سے نکلنا منع ہو جائے۔ اس کے بعد جب احکام حجاب نازل ہوئے تو حضرت عمرؓ کی بن آئی۔ انہوں نے عورتوں کے باہر نکلنے پر زیادہ روک ٹوک شروع کر دی۔ ایک مرتبہ پھر حضرت سودہ کے ساتھ وہی صورت پیش آئی۔ وہ گھر سے نکلیں اور عرضیں

عذ نے انکو ٹوکا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا قد اذن اللہ لکن ان تنخرجن لحوالجکن (اللہ نے تم کو اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن فی بیوتکم کے حکم قرآنی کا منشا یہ نہیں ہے کہ عورتیں گھر کے حدود سے کبھی قدم باہر نکالیں ہی نہیں۔ حاجات و ضروریات کے لیے ان کو نکلنے کی پوری اجازت ہے۔ مگر یہ اجازت نہ غیر مشروط ہے نہ غیر محدود۔ عورتیں اسکی مجاز نہیں ہیں کہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں پھریں اور مردانہ اجتماعات میں گھل مل جائیں۔ حاجات و ضروریات سے شریعت کی مراد ایسی واقعی حاجات و ضروریات ہیں جن میں درحقیقت نکلنا اور باہر کام کرنا عورتوں کے لیے ناگزیر ہو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ تمام عورتوں کے لیے تمام زمانوں میں نکلنے اور نہ نکلنے کی ایک صورت بیان کرنا اور ہر ہر موقع کے لیے رخصت کے علاوہ حدود مقرر کر دینا ممکن نہیں ہے۔ البتہ شارع نے زندگی کے عام حالات میں عورتوں کے لیے نکلنے کے جو قاعدے مقرر کیے تھے اور حجاب کے حدود میں جس طرح کمی بیشی کی تھی اس سے قانون اسلامی کی اسپرٹ اور اس کے رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اسکو سمجھکر انفرادی حالات اور جزئی معاملات میں حجاب کے حدود اور موقع و محل کے لحاظ سے ان کی کمی بیشی اصول ہر شخص خود معلوم کر سکتا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے ہم مثال کے طور پر چند مسائل بیان کرتے ہیں۔

مسجد میں آنے کی اجازت | یہ معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے اہم فرض نماز ہے، اور نماز میں حضورِ مسجد اور شرکت اور اس کے حدود | جماعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ مگر نماز باجماعت کے باب میں جو احکام مردوں

کے لیے ہیں ان کے بالکل برعکس احکام عورتوں کے لیے ہیں۔ مردوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو مسجد میں جماعت کے ساتھ ہو۔ اور عورتوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو گھر میں انتہائی خلوت کی حالت میں ہو۔ امام

۱۔ یہ متعدد احادیث کا لب لباب ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم، باب اباحتہ الخروج للنساء نقضاء حاجتہ

الانسان - بخاری: باب خروج النساء لحوالجکن و باب آية الحجاب -

احمد اور طبرانی نے ام حمید ساعدیہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ :-

قالت يا رسول الله اني احب الصلوة معك
 قال قد علمت۔ صلواتك في بيتك خير لك
 من صلواتك في حجة تات و صلواتك في حجة تات
 خير من صلواتك في دارك و صلواتك في دارك خير
 من صلواتك في مسجد قومك و صلواتك
 في مسجد قومك خير من صلواتك في مسجد
 الجماعة۔

بہت سوچے کہ مسجد جامع میں نماز پڑھے یا

اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ :-

صلوة المرأة في بيتها افضل من صلواتها عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے

لع عورت کو اس قدر خلوت میں نماز پڑھنے کی ہدایت جس مصلحت کی دی گئی ہے اسکو خود عورتیں زیادہ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔
ہیں۔ میں چند روز ایسے آتے ہیں جن میں عورت کو مجبوراً نماز ترک کرنی پڑتی ہے اور اس طرح وہ بات ظاہر ہو جاتی
ہے جسے کوئی حیا دار عورت اپنے بھائی بیٹوں پر بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہت سی عورتیں اسی شرم کی وجہ سے
تارک سلعوۃ ہو جاتی ہیں۔ شارع نے اس بات کو محسوس کر کے ہدایت فرمائی کہ چھپ کر خلوت کے ایک گوشہ میں نماز
پڑھا کر دنا کہ کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ تم کب نماز پڑھتی ہو اور کب چھوڑ دیتی ہو۔ مگر یہ صرف ہدایت ہے تاکید اور حکم
نہیں ہے۔ عورتیں گھر میں اپنی الگ جماعت کر سکتی ہیں اور عورت ان کی امامت کر سکتی ہے۔ ائمہ درقہ بنت نوفی کو
آنحضرت نے اجازت دی تھی کہ عورتوں کی امامت کریں (ابوداؤد)۔ دارقطنی اور بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت
عائشہ نے عورتوں کی امامت کی اور صف کے سج میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائی۔

فی حجر تھا و صلواتہا فی محضہما افضل
من صلواتہا فی بیتہما (باب ما جاء فی خروج
النساء الى المسجد)
کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور اس کا اپنے حجر
نماز میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھری
میں نماز پڑھے۔

دیکھیے یہاں ترتیب بالکل الٹ گئی ہے۔ مرد کے لیے سب سے ادنیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ وہ ایک گوشہ
تہائی میں پڑھے، اور سب سے افضل یہ کہ وہ بڑی سے بڑی جماعت میں شریک ہو۔ مگر عورت کے لیے اس کے
برعکس اتہائی خلوت کی نماز میں فضیلت ہے، اور اس عقیقہ نماز کو نہ صرف نماز باجماعت پر ترجیح دی گئی
ہے، بلکہ اُس نماز سے بھی افضل کہا گیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت مسلمان کے لیے ہو ہی نہیں سکتی تھی یعنی
مسجد نبوی کی جماعت جبکہ امام خود امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آخر اس فرق و امتیاز کی وجہ کیا
ہے؟ یہی ناکہ شارع نے عورت کے باہر نکلنے کو پسند نہیں کیا، اور جماعت میں ذکر و روناٹ کے خلط ملط
ہونے کو روکنا چاہا۔

مگر نماز ایک مقدس عبادت ہے، اور مسجد ایک پاک مقام ہے۔ شارع حکیم نے اختلاط صنغین کو
روکنے کے لیے اپنے منشاء کا اظہار تو فضیلت اور عدم فضیلت کی تفریق سے کر دیا۔ مگر ایسے پاکیزہ کام
کے لیے ایسی پاک جگہ آنے سے عورتوں کو منع نہیں کیا۔ حدیث میں یہ اجازت جو انفاذ کیا گئی ہے وہ شارع
کی بے نیفہ حکیمانہ شان پر دلالت کرتے ہیں۔ فرمایا۔

لا تمنعوا اماء الله مسلجدا الله - ۱۵۱
استاذنت امرأۃ احدکم الى المسجد
فلا یمنعہا - (بخاری و مسلم)
خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں میں آنے سے منع
نہ کرو جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانی اجازت
مانگے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتہن
خبیر لہن (ابو داؤد)
اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو مگر ان کے گھر ان کے
لیئے زیادہ بہتر ہیں۔

یہ الفاظ خود ظاہر کر رہے ہیں کہ شارع عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکتا تو نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں نماز کے لیے جانا کوئی برافعل نہیں جس کو ناجائز قرار دیا جاسکے۔ مگر مصالح اسکی بھی مقتضی نہیں کہ مساجد میں ذکور و اثاث کی جماعت مخلوط ہو جائے۔ لہذا ان کو آنے کی اجازت تو دے دی، مگر یہ نہیں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجدوں میں بھیجو، یا اپنے ساتھ لایا کرو، بلکہ صرف یہ کہا کہ اگر وہ افضل نماز کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا ہی چاہیں اور اجازت مانگیں تو منع نہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو روح اسلام کے بڑے راز داں تھے، اشاعر کی اس حکمت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ مؤطا میں مذکور ہے کہ انکی بیوی عاتکہ بنت زید سے ہمیشہ اس معاملہ میں انکی کشش رہا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جائیں۔ مگر انھیں جانے پر اصرار تھا۔ وہ اجازت مانگتیں تو آپ ٹھیک ٹھیک حکم نبوی پر عمل کر کے بس خاموش ہو جاتے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم تمہیں روکتے نہیں ہیں، مگر صاف صاف اجازت بھی نہ دیں گے۔ وہ بھی اپنی بات کی کچی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں جاتی رہوں گی جب تک کہ آپ صاف الفاظ میں منع نہ کریں گے۔

مسجد میں آنے کی شرائط | حضورِ مساجد کی اجازت دینے کے ساتھ چند شرائط بھی مقرر کر دی گئیں۔ ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ دن کے اوقات میں مسجد نہ جائیں، بلکہ صرف ان نمازوں میں شریک ہوں جو اندھیرے میں پڑھائی جاتی ہیں، یعنی عشاء اور فجر۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلعم ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا عورتوں کو ائذوا النساء باللیل الى المساجد۔ رات کے وقت مسجد میں آنے دو۔

(ترمذی، باب خروج النساء الى المسجد) وفي هذا المعنى حديث أخرجه البخاري في باب خروج النساء الى المساجد بالليل والنفوس۔

۱۔ یہ حال صرف حضرت عمرؓ کی بیوی تک تھا بلکہ عہد نبوی میں بجز تین عورتیں نماز جماعت کے لیے مسجد جایا کرتی تھیں۔ ابوہریرہؓ، ام سلمہؓ اور اودہ بن ہشامؓ۔

۲۔ مسجد نبوی میں بسا اوقات عورتوں کی دو دو صفیں ہوجاتی تھیں (باب ما یکرہ من ذکر الرجل) کیونکہ من اصابتہ اطم

وقال نافع مولیٰ ابن عمرو کان اختصار
 اللیل بذالک لکونہ استروا خفی -
 عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم یصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات
 بمروطهن یمیرفن من الغلس
 حضرت ابن عمر کے شاگرد خاص حضرت عائشہ کہتے ہیں کہ رات کی
 تخصیص اس کی کہ رات کی تدبیر میں بھی طبع پروردہ داری
 ہو سکتی ہے -
 حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح
 کی نماز دیے وقت پڑھتے تھے کہ جب عورتیں نماز کے
 بعد اپنی لوڑ حنیوں میں لپی ہوئی گذرتیں تو تاریکی
 کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں -

دوسری شرط یہ ہے کہ مسجد میں زینت کے ساتھ نہ آئیں، نہ خوشبو لگا کر آئیں حضرت عائشہ فرماتی
 ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قنیدل مزین کی ایک بہت بنی سنورئی کی خوشبو بڑے
 تازہ بختر کے ساتھ چلتی ہوئی آئی - حضور نے فرمایا لوگو! اپنی عورتوں کو زینت اور بختر کے ساتھ مسجد
 میں آنے سے روکو - خوشبو کے متعلق فرمایا کہ جس رات تم کو نماز میں شریک ہونا ہو اس رات کو کسی
 قسم کا عطر لگا کر نہ آؤ، نہ بخور استعمال کرو - بالکل سادہ لباس میں آؤ - جو عورت خوشبو لگا کر آگئی
 اسکی نماز نہ ہوگی -

لے ترمذی، باب التلیس فی الغفر - اسی بخون کی احادیث بخاری (باب قت الغفر) مسلم (باب استحباب التلبیہ بالصبح فی اول وقت)،
 ابو داؤد (باب قت الصبح) اور دوسری مستندات میں مروی ہیں - اس کے ساتھ یہ بھی کتب حدیث میں موجود ہے کہ نماز پڑھانے کے
 بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مرد نمازی بیٹھے رہتے تھے تاکہ عورتیں اٹھ کر چلی جائیں - اسکے بعد آپ سب لوگ کھڑے ہوتے
 تھے - ملاحظہ ہو بخاری، باب صلوة النساء خلف الرجال - ابو داؤد، باب انعارف النساء قبل الرجال عن الصلوة
 لے ابن ماجہ، باب فتنۃ النساء -

لے ملاحظہ ہو مؤخر، باب خروج النساء الی المساجد - مسلم، باب خروج النساء الی المسجد - ابن ماجہ،
 باب فتنۃ النساء -

تیسری شرط یہ ہے کہ عورتیں جماعت میں مردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں اور نہ آگے کی صفوں میں آئیں۔ انہیں مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ خیر مصفوف الرجال اولھا وشرھا اخرھا وخیر مصفوف النساء اخرھا وشرھا اولھا۔ ”مردوں کے لیے بہترین مقام آگے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام پیچھے کی صفوں میں، اور عورتوں کے لیے بہترین مقام پیچھے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام آگے کی صفوں میں۔“ جماعت کے باب میں حضور نے یہ قاعدہ ہی مقرر کر دیا تھا کہ عورت اور مرد پاس پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، خواہ وہ شوہر اور بیوی، یا ماں اور بیٹی ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری نانی یٰئیکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد آپ نماز کے لیے اٹھے۔ میں اور یتیم (غالباً حضرت انس کے بھائی کا نام تھا) حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے اور یٰئیکہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ حضرت انس کی دوسری روایت ہے کہ حضور ہمارے گھر میں نماز پڑھی۔ میں اور یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور میری ماں ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نماز کے لیے اٹھے۔ میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا اور حضرت عائشہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ عورتیں نماز میں آواز بلند نہ کریں۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر نماز میں امام کو کسی چیز پر متنبہ کرنا ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں دستک دیں۔
ان تمام حدود و قیود کے باوجود جب حضرت عمر کو جماعت میں ذکر و اذکار کے خلط ملط ہونے کا

۱۔ ترمذی۔ باب ماجاء فی الرجل یصلی ومعدرجال وفساؤ۔

۲۔ بخاری۔ باب المرأة وحدها تکون صفًا۔

۳۔ نسائی۔ باب موقوف الامام ذاکان معصی و امرأة۔

۴۔ بخاری، باب التصفیق للنار۔ ابو داؤد، باب التصفیق فی الصلوة۔

اندیشہ ہوا تو آپؐ نے مسجد میں عورتوں کے لیے ایک دروازہ مختص فرمادیا اور مردوں کو اس دروازہ سے آنے جانے کی ممانعت کر دی۔

جمع میں عورتوں کا طریقہ اسلام کا دوسرا اجتماعی فریضہ جمع ہے۔ یہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے مگر حتی الامکان عورتوں کو طواف کے موقع پر مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے روکا گیا ہے۔ بخاری میں عطار سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں مگر خلط ملط نہ ہوتی تھیں۔ فتح الباری میں ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طواف میں عورتوں اور مردوں کو گڈمڈ ہونے سے روک دیا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مرد کو آپؐ عورتوں کے مجمع میں دیکھا تو پکڑ کر کوڑے لگائے۔ موطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے بال بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ آگے روانہ کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز اور رمی سے فارغ ہو جائیں۔ نیز حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ صبح اندھیرے منیٰ منیٰ تشریف لے جاتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتوں کے لیے بی ستور تھا۔

جمعہ وعیدین میں عورتوں کی شرکت | جمعہ اور عیدین کے اجتماعات اسلام میں جیسی اہمیت رکھتے ہیں، مختلف سببوں سے انکی اہمیت کو مد نظر رکھ کر شائع نے خاص طور پر ان اجتماعات کے لیے وہ شرط اڑادی جو عام نادوں کے لیے تھی، یعنی یہ کہ دن میں شریک جماعت نہ ہوں۔ اگرچہ جمعہ کے متعلق یہ تصریح ہے کہ عورتیں فرضیت جمعہ کے مستثنیٰ ہیں (ابوداؤد، باب الجمعة للملوک)، اور عیدین میں بھی عورتوں کی شرکت ضروری نہیں، لیکن اگر وہ چاہیں تو نماز باجماعت کی دوسری شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ان جماعتوں میں شریک ہو سکتی ہیں متحد

۱۔ ابوداؤد - باب فی اعتزال النساء فی المساجد من الرجال -

۲۔ باب طواف النساء مع الرجال -

۳۔ جلد سوم صفحہ ۳۱۲ -

۴۔ موطا، ابواب الحج، باب تقدیم النساء والصبیان -

سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی خواتین کو عیدین میں بھیجتے تھے۔

عن ام عطیہ قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوا ری
کان یخرج الابیکار والعواقق وذوات
المخدر ورا الحیض فی العیدین فاما
الحیض فیعتزلن المصلو ویشهدن دعوة
المسلمین۔ (ترمذی، باب نوح انسان فی العیدین)
عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان یمتحن بناته ونساءه فی العیدین۔
وابن ماجہ باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین)
ام عطیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری
اور جوان لڑکیوں اور گھر گریہتوں اور ایام والی عورتوں
کو عیدین میں لے جاتے تھے۔ جو عورتیں نازک
قابل نہ ہوتیں وہ جماعت سے الگ رہتیں اور
وہاں شریک ہو جاتی تھیں۔
ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جاتے
تھے۔

نبیائے قبور و شرکت جنائزات | مسلمان کے جنازے میں شریک ہونا شریعت میں فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے
اور اس کے متعلق جو تاکید و احکام ہیں، واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں۔ مگر یہ سب مردوں کے لیے ہیں۔
عورتوں کو شرکت جنائزات سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس ممانعت میں سختی نہیں ہے، اور کبھی کبھی اجازت
بھی دی گئی ہے، لیکن شایع کے ارشادات کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا جنازوں میں جانا کراہت
سے خالی نہیں۔ بخاری میں ام عطیہ کی حدیث ہے کہ نہیننا عن اتباع الجنائز و لعمریہ عن علینا۔ ہم
کو جنازوں کی مشایعت سے منع کیا گیا تھا مگر سختی کے ساتھ نہیں۔ (باب اتباع النساء الجنائز)۔ ابن ماجہ
اور سنائی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ایک
عورت نظر آئی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ڈانٹا۔ حضورؐ نے فرمایا: یا عمر! دعھا داسے عمر اسے چھوڑ دے۔
معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت میت کی کوئی عزیز قریب ہوگی۔ شدت غم سے مجبور ہو کر ساتھ چلی آئی ہوگی۔ حضورؐ
اسکے جذبات کی رعایت کر کے حضرت عمرؓ کو ڈانٹ ڈپٹ سے منع فرمایا۔

ایسی ہی صورت زیارت قبور کی بھی ہے۔ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ اپنے مردہ عزیزوں کی یاد ان کے دلوں میں زیادہ گہری ہوتی ہے۔ ان کے جذبات کو بالکل پامال کر دینا شائع نے پسند نہ فرمایا۔ مگر یہ صاف کہدیا کہ کثرت سے قبروں پر جانا ممنوع ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ دھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت قبروں پر جانے والیوں کو منع فرمایا تھا (باب ما جاء فی کماہیۃ زیارۃ القبور للنساء)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں تو فرمایا واللہ لو شہد تلک مائتہ تلک "خدا اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اب تمہاری قبر کی زیارت کو نہ آتی" انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس بیٹھے روتے دیکھا تو اسے منع نہ فرمایا بلکہ صرف اتنی اللہ و اصبری فرمادیا۔

ان احکام پر غور کیجیے۔ نماز ایک مقدس عبادت ہے۔ مسجد ایک پاک مقام ہے۔ حج میں انسان انتہائی پاکیزہ خیالات کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ جنازوں اور قبروں کی حاضری میں ہر شخص کے سامنے موت کا تصور ہوتا ہے، غم و الم کے بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ سب مواقع ایسے ہیں جن میں صنفی جذبات یا تو بالکل منقود ہوتے ہیں یا رہتے بھی ہیں تو دوسرے پاکیزہ تر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ مگر اسکے باوجود شارع نے ایسے اجتماعات میں بھی مردوں اور عورتوں کی سوسائٹی کا مخلوط ہونا پسند نہ کیا۔ مواقع کی پاکیزگی، مقاصد کی طہارت اور عورتوں کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھ کر انہیں گھر سے نکلنے کی اجازت تو دے دی۔ بعض مواقع پر خود بھی ساتھ لے گئے۔ لیکن حجاب کی اتنی قیود

۱۔ ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت سے بھی منقول ہے۔

۲۔ ترمذی، باب ما جاء فی زیارۃ القبور للنساء۔

۳۔ بخاری، باب زیارۃ القبور۔

لگادیں کہ فتنے کے ادنیٰ احتمالات بھی باقی نہ رہیں۔ پھر حج کے سوا تمام دوسرے امور کے متعلق فرمادیا کہ ان میں عورتوں کا شریک نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ جس قانون کا یہ رجحان ہو اُس سے آپ یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ مدرسوں اور کالجوں میں، دفاتروں اور کارگاہوں میں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں، تھیٹر اور سینماؤں میں، قہور خانوں اور رقص گاہوں میں اختلاف جنسین کو جائز رکھے گا؟

جنگ میں عورتوں کی شرکت | حدود و حجاب کی سختی آپ نے دیکھی۔ اب دیکھیے کہ ان میں نرمی کہاں اور کس ضرورت سے کی گئی ہے۔

مسلمان جنگ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عام مصیبت کا وقت ہے۔ حالات مطالبہ کر رہے ہیں کہ قوم کی پوری اجتماعی قوت، مدافع میں صرف کر دی جائے۔ ایسی حالت میں اسلام قوم کی خواتین کو عام اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگی خدمات میں حصہ لیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ جو ماں اپنے بچے کے لیے بنائی گئی ہے، وہ سرکاشٹے اور خون بہانے کے لیے نہیں بنائی گئی۔ اس کے ہاتھ میں تیر و فوج دینا اسکی فطرت کو مسخ کرنا ہے۔ اس لیے وہ عورتوں کو جان اور آسروں کی حفاظت کے لیے تو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر بالعموم عورتوں سے مصافی خدمات لینا اور انھیں فوجوں میں بھرتی کرنا اسکی پالیسی سے خارج ہے۔ وہ جنگ میں ان سے صرف یہ خدمت لیتا ہے کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، پیاسوں کو پانی پلائیں، سپاہیوں کے لیے کھانا پکائیں، اور مجاہدین کے پیچھے کیمپ کی حفاظت کریں۔ ان کاموں کے لیے پردے کی حدود انتہائی حد تک کم کر دی گئی ہیں، بلکہ ان خدمات کے لیے تھوڑی مرہم کے ساتھ وہی لباس پہننا شرعاً جائز ہے جو توح کل عیسائی نہیں پہنتی ہیں۔

تمام احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ میں اندولج مطہرات اور خواتین اسلام آنحضرت کے ساتھ جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ یہ طریقہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ نزدیکی میں ہے کہ ام سلمہ اور انصار کی چند دوسری

خواتین اکثر لڑائیوں میں حضور کے ساتھ گئی ہیں۔ بخاری میں ہے کہ ایک عورت نے حضور سے عرض کیا میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں بھی بحری جنگ میں جانے والوں کے ساتھ رہوں۔ آپ نے فرمایا (اللّٰهُمَّ اجعلها منہم۔ جنگ اہد کے موقع پر جب مجاہدین اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے حضرت عائشہ اور ام سلیم اپنی بیٹیہ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور لڑنے والوں کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس حال میں میں نے انکو پانچے اٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا انکی پٹیلیوں کا پھل پھل رہا تھا۔ ایک دوسری خاتون ام سلیم کے متعلق حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جنگ اہد میں دائیں اور بائیں جہر میں دیکھنا تھا ام سلیم میری حفاظت کے لیے جان لڑاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اسی جنگ میں ربیع بنت معوذ اور اس کے ساتھ خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کی مرہم پہنچانے میں مشغول تھی اور یہی عورتیں عروین کو اٹھا اٹھا کر مدینے لے جا رہی تھیں۔ جنگ جبین میں ام سلیم ایک خنجر ہاتھ میں لیے پھر رہی تھیں۔ حضور نے پوچھا یہ کس لیے ہے کہنے لگیں اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ ام عطیہ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ کیمپ کی حفاظت، سپاہیوں کے لیے کھانا پکانا، زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنا ان کے پیڑ تھا۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جو خواتین اس قسم کی جنگی خدمات انجام دیتی تھیں ان کو اموال فتنیت میں سے انعام دیا جاتا تھا۔

۱۔ ترمذی، باب ما جاء فی خروج النساء فی الغزوۃ بخاری، باب غزوۃ المرأة فی البحر
۲۔ بخاری، باب غزوۃ النساء وقتالهن مع الرجال۔ مسلم، باب النساء الغازیات یرضعن۔
۳۔ بخاری، باب ما جاء فی خروج النساء فی الغزوۃ مع الرجال۔ مسلم، باب غزوۃ النساء مع الرجال۔
۴۔ ابن ماجہ، باب العبد والنساء یشھدون مع المسلمین۔
۵۔ مسلم، باب النساء الغازیات یرضعن۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی پردہ کی نوعیت کسی جاہلی رسم کی سی نہیں ہے جس میں مصلح اور ضروریاتِ لحاظ سے کمی و بیشی نہ ہو سکتی ہو۔ جہاں حقیقی ضروریات پیش آجائیں وہاں اس کے حدود کم بھی ہو سکتے ہیں، نہ صرف چہرہ اور ہاتھ کھولے جاسکتے ہیں، بلکہ جن اعضا کو مترسورت میں داخل کیا گیا ہے ان کے بھی بعض حصے اگر حسب ضرورت کھل جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن جب ضرورت رخنہ ہو جائے تو حجاب کو پورا نہی حدود پر قائم ہونا چاہیے جو عام حالات کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ جس طرح یہ پردہ جاہلی پردہ نہیں ہے، اسی طرح اسکی تحقیق بھی جاہلی آزادی کے مانند نہیں۔ مسلمان عورت کا حال یورپین عورت کی طرح نہیں ہے کہ جب وہ ضروریات جنگ کیلئے اپنی حدود سے باہر نکلی تو اس نے جنگ ختم ہونے کے بعد اپنی حدود میں واپس جانے سے انکار کر دیا۔

خاتمہ

یہ ہے وہ نقطہ عدل اور مقام توسط جسکی ہونیا اپنی ترقی اور خوشحالی اور اخلاقی امن کے لیے محتاج اور سخت محتاج ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں بیان کر چکا ہوں، تمدن میں عورت، یعنی عالم انسانی کے پورے نصف حصہ کی جگہ معین کرنے میں دنیا ہزاروں سال سے ٹھوکریں کھاتی رہی ہے۔ کبھی افراد کی طرف جاتی ہے اور کبھی تفریق کی طرف۔ اور یہ دونوں انتہائیں اسکے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔ تجربات اور مشاہدات اس نقصان پر شاہد ہیں۔ ان انتہاؤں کے درمیان عدل و توسط کا مقام، جو عقل اور فطرت کے عین مطابق اور انسانی ضروریات کے لیے عین مناسب ہے، وہی ہے جو اسلام نے تجویز کیا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں متعدد ایسے مواعظ پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے لیے اس رابطہ مستقیم کو سمجھنا اور اسکی قدر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ان مواعظ میں سب سے اہم مانع یہ ہے کہ زمانہ جدید کا انسان عموماً "دیرقان" میں مبتلا ہو گیا ہے اور مشرق کے فرنگیت زدہ لوگوں پر اس دیرقان کی ایک اور زیادہ خطرناک قسم کا حملہ ہوا ہے جسے میں "دیرقان امیض" کہتا ہوں۔ میں اپنی اس صاف گوئی پر اپنے دوستوں اور بھائیوں سے معافی کا خواستگار ہوں، مگر جو حقیقت ہے اس کے اظہار میں کوئی مرقت مانع نہ ہوئی چاہیے یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ثابت شدہ علمی حقائق کے خلاف ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو کچھ علمی حقیقت ہے وہی عین اسلام ہے۔ مگر اس کو دیکھنے کے لیے بے رنگ نگاہ کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ وسیع نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کے تمام پہلوؤں کو دیکھ سکے۔ کھلے دل اور سلیم فطرت

کی ضرورت ہے، تاکہ حقائق جیسے کچھ بھی ہوں ان کو دیا ہی تسلیم کرے اور اپنے رجحانات کے تابع بننے کے بجائے رجحانات نفس کو ان کے تابع کر دے۔ جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں اگر علم بھی تو بیکار ہے۔ رنگین نگاہ جو کچھ دیکھے گی اسی رنگ میں دیکھے گی جو اس پر چڑھا ہوا ہے۔ محدود نظر مسائل اور معاملات کے صرف اپنی گوشوں تک جاسکے گی جو اس زاویہ کے سامنے واقع ہوں جس سے وہ انہیں دیکھ رہی ہو پھر ان سب کے باوجود جو کچھ علی حقائق اپنی اصلی حالت میں اندر تک پہنچ جائیگے اُن پر بھی دل کی تنگی اور فطرت کی کجی اپنا عمل کرے گی۔ وہ حقائق سے مطالبہ کرے گی کہ اُس کے ادعیات نفس اور اُس کے جذبات و رجحانات کے موافق و صل جائیں، اور اگر وہ نہ ڈھکیں گے تو وہ اُن کو حقائق جاننے کے باوجود نظر انداز کر دیگی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مرض میں جب انسان گرفتار ہو تو علم، تجربہ، مشاہدہ، کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور ایسے مریض کے لیے قطعی نامکن ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے، کیونکہ اسلام دین فطرت بلکہ عین فطرت ہے۔ دنیائے مغرب کے لیے اسلام کو سمجھنا اسی لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اُس کے پاس جتنا بھی علم ہے وہ سب کا سب اسلام ہے۔ مگر خود اُسکی اپنی نگاہ رنگین ہے۔ پھر یہی رنگ یرقان، امیض، بن کر مشرق کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی نگاہوں پر چھا گیا ہے، اور یہ بیماری ان کو بھی حقائق علیہ سے صحیح نتائج نکالنے اور مسائل حیات کو فطری نگاہ سے دیکھنے میں مانع ہوتی ہے۔ ان میں سے جو مسلمان ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ دین اسلام پر ایمان رکھتے ہوں، اُس کی صداقت کے معترف بھی ہوں، اتباع دین کے جذبہ سے بھی خالی نہ ہوں، مگر وہ غریب اپنی آنکھوں کے یرقان کو کیا کریں کہ جو کچھ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا رنگ اپنی بصیرت اللہ کے خلاف نظر آتا ہے۔

دوسری وجہ جو فہم صحیح میں مانع ہوتی ہے، یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جب اسلام کے کسی مسئلہ پر

لے دے علم، یعنی حقیقت کا علم، نہ کہ نظریات اور حقائق سے اخذ کردہ نتائج۔

غور کرتے ہیں تو اس نظام اور سسٹم پر بحیثیت مجموعی نگاہ نہیں ڈالتے جس سے وہ مسئلہ متعلق ہوتا ہے، بلکہ نظام سے الگ کر کے اس خاص جہز کو من حیث ہو ہو لے لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جہز کا کام لینا سے خالی نظر آنے لگتا ہے، اور اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔ سود کے مسئلہ میں یہی ہوا کہ اس کو اسلام (یعنی فطرت) کے اصولِ معیشت اور نظامِ معاشی سے الگ کر کے دیکھا گیا۔ ہزاروں سسٹم اس میں نظر آنے لگے، یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحبِ علم لوگوں کو بھی مقاصدِ شریعت کے خلاف اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غلامی اور تعددِ اذواج اور حقوقِ الزوجین اور ایسے ہی بہت سے مسائل میں اسی بنیادی غلطی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور پردہ کا مسئلہ بھی اسی کا شکار ہوا ہے۔ اگر آپ پوری عمارت کو دیکھنے کے بجائے صرف اس کے ایک ستون کو دیکھیں گے تو لامحالہ آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ آخر کیوں لگا یا گیا ہے۔ آپ کو اس قیامِ حکمتوں کی خالی نظر آنے گا۔ آپ کبھی نہ سمجھ سکیں گے کہ انجنیر نے عمارت کو سنبھالنے کے لیے کس تناسب کس موزونیت کے ساتھ اس کو لگا یا ہے اور اس کو اگر ادینے سے پوری عمارت کو کیا نقصان پہنچے گا۔ بالکل ایسی ہی مثال پردے کی ہے۔ جب وہ اس نظامِ معاشرت سے الگ کر لیا جائیگا جس میں وہ عمارت کے ستون کی طرح ایک ضرورت اور مناسبت کو ملحوظ رکھ کر نصب کیا گیا ہے تو وہ تمام حکمتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گی جو اس سے وابستہ ہیں، اور یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آ سکے گی کہ نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان یہ امتیازی حدود آخر کیوں قائم کیے گئے ہیں۔ پس ستون کی حکمتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پوری عمارت کو دیکھ لیا جائے جس میں وہ نصب کیا گیا ہے۔

اب اسلام کا حقیقی پردہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ نظامِ معاشرت بھی آپ کے سامنے ہو چکی حفاظت کے لیے پردہ کے ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔ اس نظام کے وہ تمام ارکان بھی آپ کے سامنے ہیں جن کے ساتھ ایک خاص توازن کو ملحوظ رکھ کر پردے کا رکن مربوط کیا گیا ہے۔ وہ تمام ثابت

شناختی حقائق بھی آپ کے سامنے ہیں جن پر اس پورے نظام معاشرت کی بنا رکھی گئی ہے۔ ان سب کو دیکھ لینے کے بعد فرمائیے کہ اس میں کہاں آپ کوئی کمزوری یا کوتاہی ہے؟ کس جگہ بے اعتدالی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ہے؟ کونسا مقام ایسا ہے جہاں — کسی خاص گروہ کے رجحان سے قطع نظر — محض علمی و عقلی بنیادوں پر کوئی اصلاح تجویز کی جاسکتی ہو؟ میں علمی وجہ البعیرت کہتا ہوں کہ زمین اور آسمان جس عدل پر قائم ہیں، کائنات کے نظم میں کمال درجہ کا تسویہ پایا جاتا ہے، ایک ذرہ کی ترکیب اور نظام شمسی کی بندش میں جیسا مکمل توازن و تناسب آپ دیکھتے ہیں، ویسا ہی عدل و تسویہ اور توازن و تناسب اس نظام معاشرت میں بھی موجود ہے۔ افراط اور تفریط اور یک رخمی جو انسانی کاموں کی نگہداشت کر دیتی ہے، اس سے یہ نظام یکسر خالی ہے۔ اس میں اصلاح تجویز کرنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ انسان اپنی عقل خام کی مداخلت سے اگر اس میں کوئی ادنیٰ رد و بدل بھی کرے گا تو اس کی اصلاح نہ کرے گا بلکہ اس کا توازن کو بگاڑ دے گا۔

افسوس! میرے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ اپنے اُن انسانی بھائیوں تک اپنی آواز پہنچا سکوں جو یورپ، امریکہ اور جاپان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک صحیح اور مستدل نظام تمدن نہ پانے ہی کی وجہ سے اپنی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں کی تباہی کے بھی موجب بن رہے ہیں۔ کاش میں ان تک وہ آبِ حیات پہنچا سکتا جس کے وہ درحقیقت پیاسے ہیں، اچاہے پیاس محسوس نہ کرتے ہوں؛ تاہم میرے اپنے وطن کے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی میری دست رس سے قریب ہیں۔ ان میں سے اکثر میری زبان بھی سمجھتے ہیں۔ میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ تاریخی اور سیاسی جھگڑوں کی بدولت جو نقصان ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف پیدا ہو گیا ہے اس سے اپنے دلوں کو صاف کر کے محض طالبِ حق ہونے کی حیثیت سے اسلام کے اس نظام معاشرت کو دیکھیں جسے میں نے بے کم و کاست اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، پھر اس مغربی نظام معاشرت کے اس مواد نہ کریں جسکی طرف وہ بے تحاشہ دوڑے چلے جاتے ہیں۔

ہیں، اور آخر میں میری یا کسی اور کی خاطر نہیں بلکہ خود اپنی بھلائی کی خاطر فیصلہ کریں کہ ان کی حقیقی فلاح کس طریقہ میں ہے۔

اس کے بعد میں عام ناظرین کی طرف سے رخ پھیر کر چند الفاظ اپنے اُن گمراہ بھائیوں کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

ہمارے بعض نئے تعلیم یافتہ مسلمان بھائی ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے قوانین میں حالات زمانہ کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی تو کافی گنجائش ہے جس سے تم خود بھی شائد انکار نہیں کر سکتے۔ پس ہماری خواہش صرف اس قدر ہے کہ اسی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے۔ موجودہ زمانے کے حالات پر وہ میں تخفیف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں درسوں اور کالجوں میں جائیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ایسی تربیت حاصل کریں جس سے وہ ملک و تمدن، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس کے بغیر مسلمان زندگی کی دوڑ میں ہمسایہ قوموں سے پیچھے رہے جاتے ہیں، اور آگے چل کر اندیشہ ہے کہ اور زیادہ نقصان اٹھائینگے۔ ملک کی سیاسی زندگی میں عورتوں کو جو حقوق دیے جا رہے ہیں، اگر ان سے فائدہ اٹھانے کی جھڑپ مسلمان عورتوں میں پیدا نہ ہوئی، اور پردے کی قیود کے سبب وہ فائدہ نہ اٹھاسکیں، تو ملک کے سیاسی ترازو میں مسلمانوں کا وزن بہت کم ہو جائے گا۔ دیکھو، دنیا کے اسلام کی ترقی یافتہ اقوام مثلاً ترکی اور ایران نے بھی زمانے کے حالات کو دیکھ کر اسلامی حجاب میں بہت کچھ تخفیف کر دی ہے، اور اس سے چند ہی سال کے اندر نمایاں فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اگر ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلیں تو آخر اس میں کیا تباہی ہوگی؟

یہ جتنے خطرات بیان کیے جاتے ہیں، ہم ان سب کو جان کاتوں تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اگر خطرات

تخفیف؟ یہ نقد محض بحث کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ دراصل وہاں تخفیف نہیں تخریب کی گئی ہے۔

کی فہرست میں اس سے دس گنا اور اضافہ ہو جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال اس نوعیت کے کسی خطرے کی بنا پر بھی اسلام کے قانون میں ترمیم یا تخفیف جائز نہیں ہو سکتی۔ دراصل ایسے تمام خطرات کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً آپ قصداً اپنی حماقت سے یا مجبوراً اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک تکلیف اور مضرت ماحول میں رہتے ہوں اور وہاں حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کرنا آپ کے لیے نہ صرف مشکل ہو رہا ہو بلکہ گندے لوگوں کی بستی میں آپ کے لیے گندگی اختیار کیے بغیر جینا تک دشوار ہو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ حفظانِ صحت کے اصولوں کی ترمیم یا تخفیف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا اگر آپ ان اصولوں کو صحیح سمجھتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اپنے ماحول سے لڑ کر اسے پاک بنائیں۔ اگر خطرے کی جرأت و ہمت نہیں اور اپنی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنے ماحول سے مغلوب ہیں تو جائیے اور جو جو کٹاں فتنیں بھی آپ پر مسلط ہوں ان میں آلودہ ہو جائیے۔ آخر آپ کے لیے قوانینِ صحت میں ترمیم یا تخفیف کیوں کی جائے؟ اور اگر آپ واقعی ان قوانین کو غلط سمجھتے ہیں اور اس گندگی سے آپ کی اپنی طبیعت بھی مانوس ہے تو آپ اپنے لیے خود جو چاہیے قانون بنائیے۔ پاکی اور طہارت کے قانون میں ان لوگوں کی خواہشات کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے جو گندگی کی طرف میلان رکھتے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ہر قانون کی طرح اسلامی قانون میں بھی حالات کی لحاظ سے شدت اور تخفیف کی گنجائش ہے، مگر ہر قانون کی طرح اسلامی قانون بھی اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ شدت یا تخفیف کا فیصلہ کرنے کے لیے حالات کو اسی نظر سے اور اسی اسپرٹ میں دیکھا جائے جو اسلام کی نظر اور اسلام کی اسپرٹ ہے۔ کسی مختلف نقطہ نگاہ سے حالات کو دیکھنا اور پھر تخفیف کی تفسیری لیکر دعوتِ قانون پر حملہ آور ہو جانا تخفیف کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ سادہ اور صریح تحریف ہے۔ جن حالات کو غیر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھ کر قانونِ اسلامی میں ”تخفیف“ کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، ان کو اگر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایسے حالات میں تخفیف کی نہیں بلکہ مزید شدت کی ضرورت

ہے۔ تخفیف صرف اس وقت کی جاسکتی ہے جبکہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے آسانی پورے ہو سکیں ہوں اور تحفظات میں زیادہ سختی کی حاجت نہ ہو۔ مگر جب کہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے پورے نہ ہو رہے ہوں، بلکہ دوسری تمام قوتیں ان کو ضائع کرنے میں لگی ہوئی ہوں، اور ان مقاصد کے حصول کا تمام مدار صرف تحفظات ہی پر آٹھیرا ہو تو ایسی حالت میں صرف وہی شخص تخفیف کا خیال کر سکتا ہے جو قانون کی پشت سے قطعی نابلد ہو۔

پچھلے اوراق میں ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون معاشرت کا مقصد ضابطہ از عروج کی حفاظت، ہنسی انتشار کی روک تھام اور غیر معتدل شہوانی تحریکات کا انسداد ہے۔ اس غرض کے لیے شارع نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق۔ دوسرے تعزیری قوانین۔ تیسرے انسدادی تدابیر یعنی ستر و حجاب۔ یہ گویا تین ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے، جن کے استحکام پر اس عمارت کا استحکام منحصر ہے اور جن کا انہدام دراصل اس پوری عمارت کا انہدام ہے۔ آئیے اب اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں کہ ان تینوں ستونوں کا آپس کے ہاں کیا حال ہے؟

پہلے اپنے اخلاقی ماحول کو دیکھیں۔ آپ اُس ملک میں رہتے ہیں جسکی پچھتر فی صدی آبادی آپ ہی کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کی وجہ سے اب تک غیر مسلم ہے، جس پر ایک غیر مسلم حکمران ہے، جس پر ایک غیر مسلم تہذیب آندھی اور طوفان کی طرح چھائی چلی جا رہی ہے۔ ہلیک اور ہیفیڈ کے جراثیم کی طرح غیر اسلامی اخلاق کے اصول اور غیر اسلامی تہذیب کے تخیلات تمام فضا میں پھیل گئے ہیں۔ آپ ہوا ان سے مسموم ہو چکی ہے۔ اُن کی سمیت نے ہر طرف سے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ فحش اور بے حیائی کی جن باتوں کے خیال سے بی چند سال پہلے ملک آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے وہ اب اس قدر معتاد ہو چکی ہیں کہ آپ انہیں روزمرہ کے معمولات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے بچے تک اجسادوں اور رسالوں اور اشتہاروں میں فحش تصویریں روز دیکھتے ہیں اور بے حیائی کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کے بوڑھے اور جوان اور بچے سب سب سنیما دیکھ رہے ہیں

جہاں عربیائی اور بے حیائی اور شہوانی محبت سے زیادہ دلچسپ چیز اور کوئی نہیں۔ باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، مائیں اور بیٹیاں، سب ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر علانیہ پوس و کنار اور اختلاط و ملا کے مناظر دیکھتے ہیں اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ انتہا درجہ کے گندے اور ہيجان انگیز گیت گھر گھر اور دوکان دوکان بچ رہے ہیں اور کسی کے کان ان آوازوں سے محفوظ نہیں۔ ہندی اور فرنگی اعلیٰ سوسائٹی کی خواتین نیم عریاں لباسوں کے ساتھ پھر رہی ہیں اور نگاہیں اُن لباسوں کی اس قدر خوگر ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کی بے حیائی محسوس نہیں کرتا۔ اخلاق کے جو تصورات مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ پھیل رہے ہیں اُن کی بدولت نکاح کو ایک فرسودہ رسم، زنا کو ایک تفریح، مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ایک ناقابل اعتراض بلکہ مستحسن چیز، طلاق کو ایک کھیل، ازدواجی فرائض کو ایک ناقابل برداشت بندھن، تولد و تناسل کو ایک حماقت، شوہر کی اطاعت کو ایک نوع کی غلامی، بیوی بننے کو ایک مصیبت اور معشوق بننے کو ایک خیالی جنت سمجھا جا رہا ہے۔

پھر دیکھیے کہ اس ماحول کے اثرات آپ کی قوم پر کیا پڑ رہے ہیں۔ کیا آپ کی سوسائٹی میں اب غرض لبرلزم کا پس وجود ہے؟ کیا لاکھوں میں ایک آدمی بھی کہیں ایسا پایا جاتا ہے جو اجنبی عورتوں کے حسن آنکھیں سینکے میں باک کرتا ہو؟ کیا علانیہ آنکھ اور زبان کی زنا نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا آپ کی عورتیں بھی بشرج جاہلیہ اور اغیار زینت اور نمائش حسن سے پرہیز کر رہی ہیں؟ کیا آج آپ کے گھروں میں ٹھیک وہی لباس نہیں پہنے جا رہے ہیں جن کے متعلق آنحضرت نے فرمایا تھا کہ فسائے کاسیات حاسریات ممیلات ماعلات؟ کیا آپ اپنی بہنوں اور بیٹیوں اور ماؤں کو وہ لباس پہنے نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو مسلمان عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں پہن سکتی؟ کیا آپ کی سوسائٹی میں فحش قہقہے اور عشق و محبت کے گندے واقعات بے تکلفی کے ساتھ کہے اور سنے نہیں جاتے؟ کیا آپ کی محفلوں میں لوگ خود اپنی بدکاری کے حالات بیان کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس کرتے ہیں؟ جب

حال یہ ہے تو فرمائیے کہ عہدِ امتِ اسلام کا وہ پہلا اور سب سے زیادہ مستحکم ستون کہاں باقی رہا جس پر اسلامی معاشرت کا ایوان تعمیر کیا گیا تھا؟ اسلامی غیرت تو اب اس حد تک مٹ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں صرف مسلمانوں ہی کے نہیں، کفار تک ناجائز تصرف میں آرہی ہیں۔ انگریزی حکومت میں نہیں، مسلمان ریاستوں تک میں انہیں علی رؤس الاشهاد پیش آرہے ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں، مگر ان کے خون متحرک نہیں ہوتے۔ ایسے بے غیرت مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں، جن کی اپنی بہنیں کسی غیر مسلم کے تصرف میں آئیں اور انہوں نے فخر یہ اس کا اظہار کیا کہ ہم فلاں بڑے کافر کے برادر بستی ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی بے حیائی اور اخلاقی انحطاط کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اب ذرا دوسرے ستون کا حال بھی دیکھیے۔ تمام ہندوستان سے اسلامی تعزیرات کا پورا قانون مٹ چکا ہے۔ زنا اور قذف کی حد مسلمان ریاستوں میں جاری ہوتی ہے نہ برٹش انڈیا میں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو قانون اس وقت ملک میں نافذ ہے وہ سرے سے زنا کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شخص کو بیوی کو کوئی شخص بہکا کر بدکار بنانا چاہے تو آپکے پاس کوئی قانونی ذریعہ ایسا نہیں جس سے اس کی عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی باغ عورت پر اس کی رضامندی سے ناجائز تصرف کرے تو آپ کسی قانون کے ذریعہ سے اس کو سزا نہیں دلا سکتے۔ اگر کوئی عورت علانیہ فحش کاری پر اتر آئے تو آپکے پاس کوئی قوت ایسی نہیں جس سے آپ اس کو روک سکیں۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم ٹھہراتا ہے مگر جو لوگ قانون پیشہ ہیں ان سے پوچھیے کہ زنا بالجبر کا ثبوت دینا کس قدر مشکل ہے۔ منکوحہ عورت کا بھگالے جانا بھی جرم ہے۔ مگر انگریزی قانون جاننے والوں سے دریافت کیجیے کہ اگر منکوحہ عورت

لے یہ واقعہ جنوبی ہند کا ہے۔ سیر ایک دست لکھے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ سنایا مشرقی ہند میں ایک نام کی مسلمان عورت ایک بڑی دولت مند غیر مسلم کی غلامیہ تعلق تھی اور اس کے نتیجے میں اس نے بہت بڑی جائیداد حاصل کی ہے۔ سیر درست بیان ہوگا انہوں نے بارہا مقامی مسلمانوں کو اس بات پر غشی کا اظہار کرتے دیکھا ہے کہ غیر مسلم کے پاس دو مسلمانوں میں اتنی بڑی دولت آگئی!

خود اپنی رضامندی سے کسی کے گھر جا پڑے تو اس کے لیے آپ کے فرمانروائی کی عدالت میں کیا چارہ کار ہے؟
 غور کیجیے! یہ دونوں ستون منہدم ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے نظم معاشرت کی پوری عمارت صرف ایک
 ستون پر قائم ہے۔ کیا آپ اسے بھی سار کر دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف پر دے کے وہ نقصانات ہیں
 جن کو آپ نے اوپر گن لیا ہے۔ دوسری طرف پر وہ اٹھا دینے میں اخلاق اور نظام معاشرت کی کامل تباہی
 ہے۔ دونوں کے درمیان موازنہ کیجیے۔ معیشتیں دونوں ہیں اور ایک کو بہر حال قبول کرنا ہے۔ اب آپ خود
 ہی اپنے دل سے فتویٰ طلب کیجیے کہ ان میں سے کون سی کم تر معیشت ہے؟

پس اگر احوال زمانہ ہی پر فیصلہ کا انحصار ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال پر دے
 میں تخفیف کے نہیں اور زیادہ انتہام کے مقتضی ہیں، کیونکہ آپ کے نظام معاشرت کی حفاظت کرنے والے
 دو ستون کر چکے ہیں اور اب تمام دار و مدار صرف ایک ہی ستون پر ہے۔ تمدن اور معیشت اور سیاست کے مسائل
 آپ کو حل کرنے ہیں تو سر جوڑ کر بیٹھیے، غور کیجیے، اسلامی حدود کے اندر اس کے حل کی دوسری صورتیں بھی نکال
 سکتی ہیں۔ مگر اس بچے کچھ ستون کو جو پہلے ہی کافی کمزور ہو چکا ہے، اور زیادہ کمزور نہ بنائیے۔ اس میں
 تخفیف کرنے سے پہلے آپ کو کم از کم اتنی قوت پیدا کرنی چاہیے کہ اگر کوئی مسلمان عورت بے نقاب ہو
 تو جہاں اس کو گھورنے کے لیے دو آنکھیں موجود ہوں وہیں اُن آنکھوں کو نکال لینے کے لیے پچاس
 ہاتھ بھی موجود ہوں۔